میرے مسیحی ہونیکی حقیقت

میرے مسیحی ہونے کی حقیقت

ابتدائی ایام

میں بیس مئی ۱۹۰۰ء کو قصبہ اکال گڈھ کے متصل موضع جواتیاں ضلع گوجرانوالہ میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا۔ جواب پاکستان میں ہے۔ میرے والد محمد عظیم صاحب ایک زمیندار اور گاؤں کی مسجد کے پیش امام تھے۔ میرے خاندان والے مسلمانوں کی ایک قوم بھٹی راجپوت سے تعلق رکھتے تھے۔ ہمارے آباؤ اجداد پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ کے تھے۔

میری ابتدائی تعلیم مولوی امام الدین صاحب کی سرپرستی میں اکال گڈھ کے مدرسہ میں ہوئی۔ میں نے عربی۔ فارسی اور اردو کی تعلیم پائی۔ اس وقت صرف یہی زبانیں پڑھنے کے لائق خیال کی جاتی تھیں۔ اوائل عمر ہی سے میں تلاش حق میں رہا۔ مجھے ابھی تک یاد ہے کہ میں پنجگانہ نماز پڑھ کر کتنا خوش ہوا کرتا تھا۔ ان مقررہ نمازوں میں نوافل بھی شامل کر لیا کرتا تھا۔ مجھے فقیروں اور سادھوؤں کی صحبت سے خوشی ہوتی تھی۔ میں ان لوگوں سے مذہبی باتوں پر آزادانہ تبادلۂ خیالات کیا کرتا تھا۔ جب قرآن اور احادیث کا لائق

طالب علم بن گیا اور عربی۔ فارسی اور اُردو میں لیاقت ہوگئی۔ تو میں نے اپنے لائق استاد مولوی امامُ الدین صاحب سے منطق و حکمت کی تعلیم حاصل کرنی شروع کردی لیکن فلسفہ کے مطالعہ نے مجھے دہریہ بنا دیا۔ میں اس عقیدہ کو قبول نہ کرتا تھا کہ خدا گنہگاروں کو دوزخ میں ڈالیگا۔ اور نہ ہی میں ایسے خدا کی عبادت کرنے اور اسے ماننے کو تیار تھا اگرچہ بظاہر میں ارکان اسلام کی پیروی کرتا تھا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ میں صرف نام کا مسلمان ہوں۔ اس وقت میری عمر سترہ سال کی تھی۔

مسیحیوں اور مسیحیت سے میرا پہلا تعلق

ایک نوعمر طالب علم کی حیثیت سے ہی میں نے مسیحیت سے متعلق کچھ واقفیت اسلامی رسالوں کے ذریعہ حاصل کرلی تھی مجھے خاص طور سے وہ مضامین اب بھی یاد ہیں جن میں مقدس پولُس پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ انھوں نے نئے عہد نامہ (انجیلِ مُقدّس) میں مسیحیت کے سیدھے سادے عقیدہ کو توڑ مروڑ کر تثلیث۔ مسیح کی اُلوہیت اور کفارہ ایسی من گھڑت باتیں شامل کردی ہیں۔ ان مضامین کے اعتبار سے مسیحی مذہب دراصل پولُسی مذہب تھا۔

۱۹۰۶ء میں مجھے سرگودھا جانے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت وہ زیر تعمیر اور چھوٹے سے قصبہ کی صورت میں تھا۔ جب میں اپنے خاندانی دوست ملک شیر محمد ٹوانہ کے ہاں مقیم تھا مجھے بدہضمی کی شکایت ہوگئی۔ ملک صاحب نے

مجھے مشورہ دیا کہ سرگودھا مشن اسپتال میں اپنا علاج کرالوں۔ وہاں میری ملاقات ڈاکٹر ایم۔ ایم براؤن میڈیکل مشنری اور کمپاؤنڈر سموئیل صاحب سے ہوئی۔ سموئیل صاحب بعد میں پادری ہو گئے اور میرے عزیز دوست بن گئے۔

اسپتال والے مریضوں کے ساتھ ایک عجیب چالاکی کیا کرتے تھے۔ تمام مریض ایک کمرہ میں جمع کئے جاتے تھے جہاں انھیں ایک پادری صاحب کے تبلیغی مسیحی گیت اور دعائیں سننا پڑتی تھیں۔ اس وقت مجھے یہ باتیں بالکل پسند نہ تھیں۔ اس مجلس میں شرکت کے بعد مریضوں کو ایک پرچی دی جاتی تھی اور انہیں کہا جاتا تھا کہ وہ اسے احتیاط سے محفوظ رکھیں قدرتی طور پر مریضوں کو بائبل کی ان آیتوں کے پڑھنے کا شوق ہو جاتا تھا جو ان پرچیوں کی پشت پر چھپی ہوتی تھیں۔ میری پرچی کے پیچھے ذیل کی آیتیں مندرج تھیں۔

"کیونکہ خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔"

(یوحنا ۳ : ۱۶)

"اور کسی دوسرے کے وسیلے سے نجات نہیں کیونکہ آسمان کے تلے آدمیوں کو کوئی دوسرا نام نہیں بخشا گیا جس کے وسیلہ سے ہم نجات پا سکیں۔" (اعمال ۴ : ۱۲)

"یہ بات سچ اور ہر طرح سے قبول کرنے کے لائق ہے کہ مسیح

یسوع گنہگاروں کو نجات دینے کے لئے آیا جن میں سب سے بڑا میں ہوں۔ (۱۔تیمتھیس ۱:۱۵)

آخری آیت نے مجھ پر کافی اثر کیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ آدمی جس نے یہ آیت لکھی اور خود کو سب سے بڑا گنہگار کہا پولُس تھے وہی پولُس جن پر مسیح کے سادہ پیغام کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا الزام لگایا گیا تھا۔ کیا ایسا آدمی دھوکا دے سکتا تھا؟ اس سے قبل میں نے کسی ایسے شخص کے بارے میں نہیں سُنا تھا جس نے دوسروں کے سامنے دلیری سے اپنے گنہگار ہونے کا اعلان کیا ہو۔ کیا ایسا دیانتدار آدمی خداوند مسیح کی الُوہیت اور کفّارہ کے بارے میں سچ بات نہیں کہہ رہا تھا؟ میں نے فوراً انجیل شریف کا ایک نسخہ حاصل کر کے اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ جب ملک شیر محمّد نواز نے اس نسخہ کو میرے پاس دیکھا تو انھوں نے اسے لے کر پھاڑ دیا۔ لیکن میں نے ایک اور نسخہ حاصل کر کے اس کی جلد بندی کرالی اور جب موقع ملتا میں انجیلِ مُقدّس کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔

میری ضرورت

جب میں انجیل مقدس پڑھ رہا تھا تو خاص طور پر رومیوں کے نام خط کے ساتویں باب کی چوتھی اور بعد کی آیتوں نے مجھ پر بڑا اثر کیا مجھ پر یہ بات روشن ہوئی کہ میں بھی گنہگار ہوں اور مجھے ایک نجات دینے والے کی

ضرورت ہے میں نے ابتک اپنی زندگی میں یہی سنا تھا کہ خدا اچھے کام
کرنے والوں پر مہربان ہوتا ہے لیکن انجیل مُقدّس کا واضح طور پر یہ اعلان
تھا کہ نجات نیک اعمال کر کے نہیں کمائی جا سکتی ۔ خدا صرف نیک اعمال
ہی نہیں بلکہ دل کی تبدیلی چاہتا ہے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ ایک گناہ آلودہ
دل کس طرح پاک اور بے داغ بن سکتا ہے ؟ اسی طرح انجیل مُقدّس میں
ططس کے خط پر بھی میں غور کرتا تھا کہ جہاں یہ لکھا ہے کہ پاک لوگوں کیلئے
سب چیزیں پاک ہیں مگر گناہ آلود اور بے ایمان لوگوں کیلئے کچھ بھی پاک
نہیں بلکہ ان کی عقل اور دل دونوں گناہ آلودہ ہیں ....." (ططس ۱:۱۵
و ۱۶) اور اکثر یہ سوال پوچھتا تھا کہ جب آدمی کا دل اور اسکے خیالات
ناپاک ہیں تو انھیں کیا چیز پاک وصاف کر سکتی ہے ؟ پادری صاحبان
کی مدد سے میں نے یہ معلوم کیا کہ مسیح نیا دل اور نئی طبیعت بخشنے پر
قادر ہے چونکہ پادری صاحبان کے مسلّمات کی خود انجیل شریف نے
متواتر تائید کی اس لئے مسیحی عقائد پر بتدریج میرا ایمان بڑھتا چلا گیا اب میں
پادری صاحبان کے پاس اور بھی زیادہ آنے جانے لگا تاکہ مزید معلومات
حاصل کر سکوں

چوکیدار اور پانی بھرنے والا

ڈاکٹر براؤن ایک مردِ خدا تھے۔ آپ طب کے ڈاکٹر اور پر جوش

مُبشّر تھے۔ آپ اپنے ہم خدمت کارکنوں کے ہمراہ دیہات میں جاکر بیماروں
کو شفا دیتے اور خدا کے کلام کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ بار برداری اونٹوں کے
ذریعے ہوا کرتی تھی۔ جب میں نے سُنا کہ ان کی جماعت سردیوں میں دورے
پر جانے کا بندوبست کر رہی ہے تو میں نے بھی اس جماعت میں شامل
ہو جانے کا فیصلہ کر لیا میں نے ڈاکٹر براؤن صاحب سے ایک کارکن کی
حیثیت سے ان کی جماعت میں شمولیت کی درخواست کی۔ انھوں نے
مجھ سے کہا کہ مجھے ایک چوکیدار کی ضرورت ہے۔ میں تو راضی تھا ہی لہذا
کام پر لگ گیا۔ بحیثیت چوکیدار میں اس خیمہ کی نگرانی کرتا تھا جس میں ڈاکٹر
براؤن کا خاندان رہتا تھا۔ ایک دفعہ ڈاکٹر براؤن کی اہلیہ نے کہا کہ انکا
پچھلا چوکیدار باورچیپا دا اور غسلخانہ میں استعمال کیلئے پانی بھی بھرا کرتا تھا۔
انھوں نے چاہا کہ میں بھی اسی کے نقش قدم پر چلوں۔ میں اس پر بھی راضی
ہو گیا۔ لیکن ایک ایسے آدمی کیلئے جو اس قسم کے کام کا عادی نہ ہو پانی سے
بھرے ہوئے دو کنستروں کو بانس کے ایک ٹکڑے کے دونوں سروں پر
لٹکا کر لانا بڑا دشوار تجربہ تھا۔ گو میرا کندھا مجروح ہو گیا تو بھی میں یہ بخوبی جانتا
تھا کہ میری آٹھ روپئے ماہوار تنخواہ اس وقت یعنی ۱۹۰۶ء میں ایک پولیس
کانسٹبل کی تنخواہ کے برابر تھی۔ میں نے اس نوجوانی کے عالم اپنے آپ کو
خوش قسمت سمجھا اور اس خدمت کو کئی ماہ تک انجام دیا۔

اس عرصہ میں انجیلِ مُقدّس مسلسل میری رفیق رہی میں ڈاکٹر براؤن صاحب کی دی ہوئی لالٹین کی روشنی میں ہر رات اسے پڑھا کرتا تھا۔ تاہم جب کبھی مسیحی ہو جانے کا خیال میرے ذہن میں آتا تو میں اسے شیطانی وسوسہ سمجھ کر دور کر دیا کرتا تھا۔ میں سیدھے سادے شُتربانوں کو قرآن شریف سنایا کرتا تھا جو مجھے مولوی صاحب کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ لیکن ایک رات میں دل سے قائل ہو گیا کہ انجیل مقدس خدا کا کلام ہے اس سے پہلے مرے دل میں ذیل کے شکوک تھے:۔

(۱) از روے قرآن شریف کل بنی آدم گنہگار ہیں اور ایک بھی بچنے کے لائق نہیں۔

چنانچہ:۔ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ اور اگر اللہ، انسانوں سے ان کے ظلم کا مواخذہ کرے۔ تو زمین پر کسی متحرک کو نہ چھوڑے + (سورہ نحل آیہ ۶۱)

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ (اور اگر اللہ انسانوں کے اعمال کا مواخذہ کرے تو زمین کی پشت پر کسی متحرک کو نہ چھوڑے)

اور صحیحین کی حدیث ہے کہ لَنْ يُّدْخِلَ اَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ

يُّتَغَمَّدَنِي اللهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ " یعنی آنحضرت نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ انھوں نے پوچھا اے رسول اللہ آپ کو بھی نہیں۔ تو کہا مجھے بھی نہیں بجز اس کے کہ خدا کا فضل اور رحمت مجھے ڈھانک لے۔ پس قرآن شریف کے واضح بیان اور حدیث شریف کی تصدیق سے خدا کے فضل کے ڈھانکنے کے بغیر کسی بشر کی بھی نجات ممکن نہیں۔ لیکن نہ قرآن شریف میں اور نہ حدیث میں فضل کے ڈھانکنے کی معقول توجیہہ پیش کی گئی ہے کہ جس سے وہ خود بھی عادل رہے اور فضل کی پناہ لینے والے کو راستباز (نہ صرف معافی کی صورت میں بلکہ پاکیزگی کی صورت میں بھی) ٹھہرا سکے کیونکہ معافی بلا عدل کی تکمیل کے خلاف عدل اور خدا تعالیٰ کی قدوسی کے منافی ٹھہرتی۔ اور محض معافی حاصل کرنے سے پاکیزگی کے بغیر قدوس خدا سے ملاقات و وصال ممکن نہیں کیونکہ روشنی اور تاریکی میں کیا موافقت اور ناپاک طبیعتوں کا قدوس سے کیونکر میل جول؟ پس فضل کے افادہ و استفادہ کی معقول توضیح مجھے کہیں نہ مل سکی۔

(۲) از روے قرآن شریف و حدیث شریف نجات کا مدار توحید پر ایمان لانا اور اس کا اقرار کرنا ہے۔ لیکن وحدت الٰہی کی ثبوتی تعریف نہ تو مجھے قرآن شریف میں ملی نہ حدیث شریف اور علم الکلام میں۔ پس مجھے

یہی معلوم ہوا کہ اسلام میں وحدتِ الٰہی کے صرف سلبی معنی یعنی عدم کثرت ہی بیان کئے گئے ہیں۔ ثبوتی صورت میں وہ کسی معنی کی ازلی کثرت کی طرف مضاف نہیں بلکہ ہر طرح کی کثرت کا مفہوم اس کی وحدت کی ضد کے طور پر ہے۔ اور عقلی طور پر ایسے واحد کا وجود ممتنع ہے۔

(۳) اسلام میں خدا تعالےٰ کو اکیلا ازلی مانا جاتا ہے اور ساری مخلوقات کو حادث لیکن ازلی خدا اور حادث مخلوق میں کوئی واسطہ نہیں مانا جاتا جس کی اضافت ازلی خدا اور حادث مخلوق دونوں کے ساتھ ہو تاکہ خدا تعالیٰ جو دنیا کی پیدائش کی ازلی علّت ہے اور مخلوقات جو حادث معلول ہے ان میں زمانہ کا تقدّم و تاخر لازم نہ آئے۔

(۴) غیر محدود ازلی خدا کی طرف سے افادہ عرفان والہام سے محدود حادث انبیاء کے استفادہ کے لئے ایک محدود حادث مخلوق یعنی فرشتہ کو ہی واسطہ مانا گیا ہے۔ حالانکہ کسی محدود و حادث محض ہستی کیلئے ازلی و غیر محدود خالق سے بلا واسطہ استفادۂ الہام وعرفان محال ہے۔ پس اس فرشتہ کیلئے ایک اور واسطہ کی ضرورت ہوگی اور اس کیلئے ایک اور کی۔ جس سے تسلسل لازم آئے گا اور بلا ایسے واسطہ کے جو قدیم و حادث اور غیر محدود و محدود دونوں کی طرف مضاف ہو۔ الہام وعرفان الٰہی سے حادث و محدود انبیاء کیلئے استفادہ قطعاً محال ٹھہریگا۔

(۵) قرآن شریف میں توریت و انجیل کے نام سے ان پر ایمان لانے کا حکم بالتصریح موجود ہے اور ان کو ہدایت و نور ٹھہرایا گیا ہے۔ اگر وہ کتابیں قرآن شریف کے زمانہ سے پہلے بگڑ چکی یا معدوم ہو چکی تھیں تو فرقان میں اس امر کی توضیح و تصریح ضرور تھی۔ کہ توریت و انجیل کا نام لے کر بتایا جاتا کہ وہ اب بگڑ چکی یا معدوم ہو چکی ہیں اس لئے ان پر ایمان نہیں لانا چاہئے پھر حضرت ابن عباس جو امام المفسرین ہیں اور امام بخاری جو امام المحدثین ہیں دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ " قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُحَرِّفُوْنَ يُزِيْلُوْنَ وَلَيْسَ اَحَدٌ يُزِيْلُ لَفْظَ كِتَابٍ مِنْ كُتُبِ اللّٰهِ وَلٰكِنَّهُمْ يُحَرِّفُوْنَهٗ اَيْ يَتَاَوَّلُوْنَهٗ عَلٰى غَيْرِ تَاْوِيْلِهٖ یعنی ابن عباس نے کہا کہ "یحرفون" سے مراد" یزیلون " ہے حالانکہ کتاب اللہ کے ایک لفظ کو بھی کوئی بگاڑ نہیں سکتا۔ لیکن وہ تحریف کرتے تھے یعنی صحیح کی بجائے ان کی غلط تاویل پیش کرتے تھے (صحیح بخاری) اس کے مطابق جبکہ ۳۲۵ء کا لکھا ہوا قلمی نسخہ ابتک ویٹیکن میں محفوظ ہے جو موجودہ کتب مقدسہ کو درست ٹھہراتا ہے تو ظاہر ہے کہ قرآن شریف کے بعد توریت و انجیل کو محرّف یا جعلی قرار دینا ممکن نہیں اس لئے چونکہ نہ قرآن شریف سے پہلے توریت و انجیل بگڑ چکی یا معدوم ہو چکی ہیں اور نہ اس کے بعد تو:۔ اوّل:۔ مسلم علما کا عام خیال جو موجودہ توریت و انجیل کی صحت کے خلاف ہے باطل ٹھہرتا ہے دوّم۔ موجودہ

مسیحی عقائد کتاب مقدس کی تعلیمات پر مبنی اور اس سے مستنبط ہونے کی وجہ سے صحیح ٹھہرتے ہیں۔

(۶) اگر انجیل مُقدس حضرت مسیح کے بعد قریبی زمانہ میں بگڑ چکی یا معدوم ہو چکی تھی جیسا کہ علمائے اسلام کا وہم ہے تو اس وقت سے لے کر آنحضرت کے دعویٰ نبوت تک خدائے حکیم ورحیم وقدیر کی طرف سے روحانی ہدایت کے افادہ کا قطعاً تعطّل لازم آتا ہے جس سے الٰہی ذات کے خلاف بڑے درجہ کا کفر لازم آئے گا۔

(۷) کیا یہ ممکن ہے کہ توریت وانجیل کے الہامی صحیفے جو دنیا کی ہدایت کیلئے خدائے حکیم وعلیم وقدیر ورحیم نے عطا کئے تھے وہ بگڑ کر یا معدوم ہو کر بگڑی ہوئی یا جعلی صورت میں تا قیامت باقی رہیں جس سے خدا تعالیٰ اپنے مقصد میں ایسا ناکام ثابت ہو کہ جو کتابیں اس نے دنیا کی ہدایت کیلئے عطا کی تھیں وہ اس کے مقصد کو پورا کرنے اور ہدایت پھیلانے میں تو قطعاً ناکام ہو گئیں مگر اس کے مقصد کے خلاف گمراہی پھیلانے کے لئے تا ابد باقی رہیں۔

ان مشکلات کا حل مجھے کلام مقدس میں مل گیا اور مجھے کامل یقین ہو گیا کہ مسیح کے کام اور تعلیمات کا بیان سچائی کے ساتھ اس میں لکھا گیا ہے۔ مسیح کی الوہیت۔ اس کی موت اور اس کے جی اٹھنے کے راز اور یہ

تمام عقائد جو اس سے پہلے مجھے عجیب سے معلوم ہوتے تھے پولس کی اختراع نہیں ہیں۔ اب میں سمجھ گیا کہ آدمی اپنے اعمال سے نہیں بلکہ مسیح میں خدا کے فضل سے نجات پاتا ہے اور دل کی تبدیلی بھی اسے میسر ہو جاتی ہے۔

بپتسمہ میں رکاوٹیں

ایک روز بہت صبح جب ڈاکٹر براؤن صاحب اپنے خیمہ سے باہر جا رہے تھے میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے بپتسمہ دیا جائے بعد میں ان کے خانساماں بہاری نے بتایا کہ صاحب کہہ رہے تھے کہ "بپتسمہ لینے سے تمہاری تنخواہ نہیں بڑھے گی" تو مجھے بہت تعجب ہوا! اس پر میں نے جواب دیا کہ " ابتک میں نے جتنی بھی تنخواہ پائی ہے وہ سب واپس کردوں گا اور بپتسمہ پاتے ہی یہاں سے چلا جاؤں گا" یہ سن کر ڈاکٹر براؤن نے مجھے تسلی دی اور میرے لئے دعا کی۔

دوسرے اتوار دیہات سے بہت سے بھنگی عبادت کرنے آئے۔ وہ مسیحی ہونے پر راضی تھے اور ایک مسیحی کارندہ کی مدد سے بپتسمہ کیلئے تیار کئے گئے تھے۔ عبادت کے شروع ہونے سے پہلے ایک دوسرے مشنری پادری صاحب نے ان سب کو جو بپتسمہ کے خواہشمند تھے سامنے آنے کی دعوت دی۔ بھنگی اگلی صف میں آکر کھڑے ہو گئے میں بھی اُٹھ کر ان میں شامل ہو گیا۔ مشنری نے مجھے الگ بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور میرے

کان میں آہستہ سے کہا کہ وہ اس وقت صرف بھنگیوں کو بپتسمہ دینا چاہتے ہیں۔ میں مایوس ہو کر الگ بیٹھ گیا۔ عبادت کے بعد میں مشنری پادری سے ملا اور اپنے بارے میں ان کے رویّہ کی شکایت کرتے ہوئے کہا "آپ نے ان بھنگیوں کو جو انجیل شریف نہیں جانتے ہیں بپتسمہ دینا چاہا لیکن میں انجیل مقدّس اچھی طرح جانتا ہوں مجھے آپ نے رد کر دیا۔" ان کو بڑا تعجب ہوا پھر انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ "کیا تم اردو جانتے ہو؟" میں نے کہا کہ اُردو ہی نہیں بلکہ عربی اور فارسی بھی جانتا ہوں۔" انھوں نے اردو میں میرا امتحان لیا میرا خیال ہے کہ ان کو یہ یقین نہیں تھا کہ کیمپ کا چوکیدار اور پانی بھرنے والا اردو بھی پڑھ سکتا ہے۔ انھوں نے اُردو کی مشہور کتاب توبتہ النصوح میں سے چند الفاظ کے معنی اور مصدر مجھ سے پوچھے۔ ایک لفظ مسئلہ تھا جس کا غلط تلفظ مسایہ کر رہے تھے۔ میں نے ان کے تلفظ کی اصلاح کی۔ میرا یقین نہ کرتے ہوئے اُنھوں نے لغت منگوائی۔ لغت نے میرے تلفظ کے صحیح ہونے کی تائید کی۔ اس طرح انھیں میرے علم کا یقین ہوا۔ میں نے ان سے کہا کہ میں مسیحیت کے بنیادی عقائد سے واقف ہوں اور ان کو سوال پوچھنے کی دعوت دی جس پر ڈاکٹر براؤن۔ ان کے خاندان اور جماعت کے دوسرے لوگوں نے میرے بارے میں اتنی غفلت برتنے اور ایک سخت کام سپرد کرنے کے سلسلہ میں معافی مانگی۔ انھوں نے تجویز پیش کی کہ میں سانگلاہل

چلا جاؤں تاکہ وہاں میرا بپتسمہ ہو جائے۔ میں سانگلاہل میں بھی بپتسمہ حاصل
کرنے میں ناکام رہا۔ کیونکہ وہاں میری عمر کا سوال اٹھ کھڑا ہوا حالانکہ اس وقت
میری عمر ٹھیک اٹھارہ برس کی تھی۔ یعنی میرا صحیح سن پیدائش جیس مئی ۱۸۸۹ء
تھا۔ لیکن اس وقت کے عام رواج کے مطابق سکول سرٹیفکیٹ میں میری
تاریخ پیدائش بیس مئی ۱۸۹۱ء لکھی ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں شاہ کوٹ
گیا۔ وہاں کے پادری صاحب نے خداوند یسوع مسیح کی الوہیت اور
تثلیث پر مجھے اعتراضات کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ میں نے اعتراض
کئے اور جواب نہ بن آنے پر مجھے جھڑکا اور بپتسمہ کے لائق نہ سمجھا۔ اور کہا
جس شخص کے ذہن میں ایسے اعتراضات موجود ہیں۔ وہ مسیحی نہیں ہو سکتا۔
آخرکار ایک مشہور پادری جی ایل ٹھاکرداس صاحب نے جو بہت سی کتابوں
کے مصنف ہیں دو ماہ بعد مجھے بپتسمہ دینے پر رضامندی ظاہر کی اور میرا بپتسمہ
۱۹۰۸ء میں اکتوبر کے پہلے اتوار کو شہر لاہور میں ہوا۔

خداوند مسیح کے شاگرد کی حیثیت سے زندگی

اب میری زندگی آسان نہیں تھی۔ میں نے بہت دفعہ ملازمت ڈھونڈی
لیکن ناکام رہا۔ یہاں تک کہ میرے کپڑوں کا ٹرنک بھی کھو گیا۔ اور میں قریب
قریب قلاش ہو گیا۔ اور اس حالت میں خدا سے رہبری اور مدد کیلئے دعائیں کیا
کرتا تھا۔ مجھ پر یہ بات عیاں ہو گئی کہ میں قادر مطلق خدا کی نسبت آدمیوں پر

زیادہ بھروسہ کر رہا تھا۔ چنانچہ اسی وقت میں نے عہد کیا کہ آئندہ کسی آدمی کے آگے ملازمت کیلئے ہاتھ نہ پھیلاؤں گا۔ اور اپنا مستقبل خدا کو سونپ دیا

کام ملنے لگے۔ مجھ سے درخواست کی گئی کہ میں احمدیوں کی طرف سے پیش کردہ سوالات کے جوابات لکھوں۔ مسیحی رسالہ نورافشاں کے ایڈیٹر نے میرے ان جوابات میں بڑی دلچسپی لی۔ اور مجھے نورافشاں کے دفتر میں کام بھی دیدیا۔

کچھ عرصہ بعد سہارنپور کے مدرسہ دینیات میں مزید تعلیم کے لئے بھیج دیا گیا ۱۹۱۶ء سے ۱۹۱۹ء تک مدرسۂ دینیات کے دورانِ قیام میری شادی کا انتظام ہوگیا۔ دینیات کے مدرسہ کی طالب علمی کے زمانہ سے پہلے ہی مجھے غیر مسیحی علماء کے ساتھ مناظرہ کا سابقہ پڑا۔ چنانچہ ۱۹۱۵ء میں شہر مالیر کوٹلہ میں (جو اس وقت ریاست کا صدر مقام تھا) میرا مناظرہ قادیانی جماعت کے مشہور مناظر حافظ روشن علی صاحب سے ہوا اور ۱۹۱۷ء میں آریوں کے مشہور مناظر پنڈت رامچندر صاحب دہلوی کے ساتھ سہارنپور میں مناظرہ ہوا۔

مسیحی دینیات کی تعلیم کی تکمیل کے بعد میں نے بحیثیت پاسبان اور مبشر کئی مقامات پر خدمت کی ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۹ء تک بھسولا جیکل کالج سہارنپور میں پروفیسر رہا پھر بحیثیت مبشر او رمشنری بھی کام کیا بعد ازاں

میں نے کئی مسیحی تنظیموں میں ناظم ۔ مبشر اور مصنف کی حیثیت سے خدمات

انجام دیں اور ہندوستان کے اکثر و بیشتر حصوں میں جانے کے مواقع ملے

۱۹۵۷ء سے چنڈی گڑھ میں مقیم ہوں جہاں سے مسیحی بشارت کی خدمت

بفضل خدا حسب سابق انجام دے رہا ہوں۔

اکبر عبد الحق

میرے یہ مختصر حالات زندگی پڑھنے کے بعد قارئین میں سے بعض

میرے بیٹے اکبر کے بارے میں کچھ جاننا پسند کریں گے اس لئے آپ سے

اس کا بھی مختصر تعارف کرائے دیتا ہوں میرے چھ لڑکوں اور تین لڑکیوں

میں یہ سب سے بڑا ہے لدھیانہ میں ۲۴ ستمبر ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوا۔ گارڈن

کالج راولپنڈی۔ مری کالج سیالکوٹ اور اورنٹیل کالج لاہور میں تعلیم پائی

حصول تعلیم کے اس عرصہ میں اس نے فلسفہ میں ایم۔اے اور فارسی میں

ایم۔اے کیا۔ آزادی سے قبل وہ فورمین کرسچین کالج لاہور میں لکچرار تھا

بعد میں اس نے امریکہ میں تعلیم حاصل کی اور دینیات میں پی۔ایچ۔ڈی میں

کامیاب ہوا۔ علیگڑھ میں ہنری مارٹن اسکول کی بحیثیت اسٹاف ممبر خدمت

کرنے کے بعد اسی ادارہ کا وہ پرنسپل بنایا گیا۔ ۱۹۵۷ء میں امریکہ کے

مشہور مبشر بلی گراہم کی ٹیم میں بحیثیت مبشر خدمت کرنے کے لئے اس نے

پرنسپل کے عہدہ سے سبکدوشی حاصل کرلی یہ خدمت خدا کی مدد سے وہ آج تک

کر رہا ہے۔ ۱۹۵۵ء میں جب میں نیشنل مشنری سوسائٹی کے نمائندہ کی حیثیت سے امریکہ گیا تو میرا مترجم اکبر ہی تھا۔

اکبر کے عہدِ طفولیت میں ہی میری اہلیہ اور میں نے اسے خداوند مسیح کی خدمت کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ خدا کے فضل و کرم سے وہ ابھی تک اس بلاہٹ پر ثابت قدم ہے۔

میں اس مضمون کے آخر میں اپنی یہ شخصی گواہی پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں نے ۱۹۰۸ء میں خداوند یسوع مسیح کو اپنا شخصی نجات دہندہ قبول کیا اور اپنی گذشتہ مسیحی زندگی کے ۵۹ سالہ تجربہ کی بنا پر صدقِ دل سے یہ گواہی دیتا ہوں کہ بائبل مقدس کی تعلیم میں مجھے ہر روحانی مشکل کا حل مل گیا اور زندہ خداوند یسوع مسیح کا قادر اور خفیہ ہاتھ گذشتہ ساری مسیحی زندگی میں لگاتار میں اپنے باطنی وجدان میں محسوس کرتا رہا کہ اس نے کس طرح ہولناک اور مہلک آزمائشوں میں بارہا میری مدد و حفاظت کی اور اپنی زندہ ہستی اور روحانی سچائیوں کا کامل یقین اور حقیقی اطمینان مجھے بخشا۔ میرے دوستو میں آپ کو عاجزی سے یہ رائے دیتا ہوں کہ آپ دعا کے ساتھ خدا کے کلام بائبل مقدس کو پڑھیے اور خود اپنے لئے خدا کے فضل کا مزہ چکھیے۔ خداوند مسیح نے فرمایا ہے "آسمان اور زمین ٹل جائیں گے لیکن میری باتیں

ہرگز نہ ٹلیں گی ۔

(متی ۲۴: ۳۵)

اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو مجھے لکھئے ۔

مسیح کا ادنیٰ خادم

عبدالحق

بنگلہ نمبر ۴۹ سیکٹر ۱۹ - A

چنڈی گڑھ

Published by

THE HENRY MARTYN INSTITUTE

BOX 134, LUCKNOW, U. P.

with the help of of the N. C. C. Board of Christian Literature

How I came to Christ (Rev. Abdul Haqq)